OPEN ACCESS
Al-SHARQ
ISSN (Online): 2710-2475
ISSN (Print): 2710-3692
www.alsharqjr.com

Al-SHARQ
Vol: 03, Isue:02, July-Dec 2022, pp:148-165

صوفیاء کے ہاں اصول ہائے تفسیر

Principles of Quranic exegesis according to Sufis

Rehan Rasheed
Ph.D Scholar, Lecturer Department of Islamic Studies, University of Gujrat

Dr. Nadeem Abbas
Lecturer Department of Islamic Studies, University of Gujrat

Submission: 28-09-2022 *Accepted: 28-10-2022* *Published:30-12-2022*

Abstract

The eminence of the Holy Prophet (peace and blessings of Allah be upon him) is both of the Exeget and the Lawgiver. He exegeted and explicated the Holy Quran and also implemented Sharia laws according to the circumstances and events. After the Prophet (peace and blessings of Allah be upon him), the interpretations and exegeses of the Holy Qur'an was carried out by various scholars of the Ummah Thematic groups who tried to do it according to their own specific sphere and these efforts continue till today. Among these classes, a large group belongs to Sufis. They also exegeted and interpreted the Holy Quran. By reviewing the exegetical literature of Sufis, it is immediately known that Sufis do not have a formal or fixed style of interpretation, nor is there a specific method they follow.However, a close reading analysis reveals that some basic principles and orders preside beneath the surface. According to them, the Qur'an's meaning and knowledge is like an ocean without the shore. Each verse has many external and internal meanings. Therefore, arriving at the exact and quintessential meaning and knowledge of the Qur'an is inconceivable. In their opinion, similarities and mutuality of departments is that the verses of the departments will always be the verdict and they will be followed. And subjecting analogies to them, meanings will be determined. In the light of the recitation of the Quran With complete obedience, presence of heart and sincerity to the text and sunnah of the Quran, and the effects of it on the soul and the heart, the verses will be interpreted and exegeted in

accordance with the partial similarities to the visible and the invisible world. There has been no conscious research on finding the underlying principles and injunctions in the exegetical literature of sufis. It is necessary to find these principles and to make an attempt to explore such underlying injunctions and principles. This attempt will be made in this research paper.

***Key Words**: Sufis, Tafseer, Usool, Qura'anic Exegesis*

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیثیت شارع اور شارح دونوں کی ہے۔آپ قرآن مجید کی تشریح وتوضیح بھی کرتے اور حالات و واقعات کے مطابق شرعی قوانین بھی نافذ فرمایا کرتے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد قرآن مجید کی تشریح و توضیح امت کے مختلف علمی و موضوعاتی طبقات نے اپنے اپنے مخصوص دائرے میں کرنے کی کوشش کی اور یہ کوششیں آج تک ہو رہی ہیں۔ان طبقات میں ایک بڑا طبقہ صوفیا کا بھی ہے۔صوفیا نے بھی قرآن مجید کی تشریح و توضیح کی ہے۔صوفیا کے تفسیری ادب کا جائزہ لینے سے یہ فوری آگہی ملتی ہے کہ صوفیا کے ہاں تفسیر کا باضابطہ یا لگا بندھا اسلوب نہیں اور نہ ہی وہ کسی خاص طریقۂ کار کی باقاعدہ پیروی کرتے ہیں۔لیکن بنظرِ غائر مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر کرتے ہوئے کچھ بنیادی مقدمات ہمیشہ صوفیا کے مدنظر رہے ہیں۔ان کے نزدیک قرآن حقائق و معارف کا بحر ناپیدا کنار ہے۔ہر آیت کے ظاہری و باطنی بہت سے معانی ہیں۔اس لیے رسوخ فی العلم اور احوال میں درستگی کے بغیر قرآن مجید کے درست معانی تک پہنچنا اور اس سے حقائق و معارف حاصل کرنا ممکن نہیں ہے۔ان کے خیال میں متشابہات اور محکمات کا باہمی تعلق یہ ہے کہ ہمیشہ آیاتِ محکمات ہی قولِ فیصل ہوں گی۔انہی پر عمل کیا جائے گا۔اور متشابہات کو ان کے تابع رکھتے ہوئے معانی متعین ہوں گے۔قرآن مجید کی نصوص اور سنت پر مکمل عمل، حضور قلب اور اخلاص و ذوق کے ساتھ تلاوت کلام مجید اور اس دوران قلب و روح پر مرتب ہونے والے احوال و کیفیات کی روشنی میں عالم ظاہر و عالم غیب کے ساتھ جزوی مماثلتوں کی روشنی میں عبرت و اعتبار حاصل کرتے ہوئے تعبیر و تشریحِ آیات ہوگی۔صوفیا کے تفسیری لٹریچر کا مطالعہ کرکے ان کے تفسیری مقدمات تلاش کرنے کی اس سے پہلے کوئی مرتب شعوری کوشش نہیں کی گئی۔یہ ضروری ہے کہ ان مقدمات کو تلاش کیا جائے اور صوفیا کے اصول ہائے تفسیر تلاش کرنے کی کوشش کی جائے۔اس مقالہ میں یہی کوشش کی گئی ہے۔

صوفیا کا اختصاص ان کے تزکیہ قلب اور صفائے باطن کے لیے مسلسل کدوکاوش کرنا ہے، وہ اپنے مذہبی ذوقی و کیفی اِحوال و تجربات کے مطابق قرآن مجید کی تفسیر و تشریح کرتے ہیں۔یہ تفسیری شذرات کہیں کہیں باقاعدہ و مرتب اور زیادہ تر بے قاعدہ اور غیر مرتب صوفی ادب میں مل جاتے ہیں۔صوفیا نے تفسیر کرنے کے لیے کہیں کوئی باقاعدہ اِصول و ضوابط مقرر نہیں کیے اس لیے ہر صوفی اپنے ذوق و حال کے مطابق تفسیر کرتا دکھائی دیتا ہے۔لیکن صوفیا کی منزل اور راستہ ایک ہی ہونے کی وجہ سے ان کے تفسیری ادب کا مطالعہ کرنے سے کچھ مجموعی تفسیری مقدمات کشید کیے جا سکتے ہیں۔وہی مقدمات صوفیا کے ہاں تفسیری اِصول و ضوابط یا رہنما اصولوں کا درجہ حاصل پاتے ہیں اور سبھی تفاسیر انہی کی روشنی میں کی جاتی ہیں۔اس مقالے میں انہی اِصول و ضوابط یا مقدمات کے تعین کی کوشش کی جائے گی۔

قرآن ایک زندہ و جاوید کتاب ہے؛ جس کا معنی یہ ہے کہ ہر دور میں اس سے استفادہ کرنے والے ہر طبقۂ نظر و فکر کے

لیے ہدایت و رہنمائی قرآن مجید میں موجود ہے۔ اسی لیے تفسیر و تعبیرِ قرآن کی روایت قرنِ اول سے مربوط و مسلسل ملتی ہے۔ ہر طبقۂ فکر اور زاویۂ نظر رکھنے والے اہل علم نے اپنے اپنے ذوق اور علمی زاویں کی روشنی میں قرآن مجید کی تعبیر و تشریح کی ہے۔ ماہرین لغت نے لغوی تشریحات کیں تو ماہرین فقہ نے فقہی اعتبار سے احکامِ قرآن کی تعبیر و تشریح کی۔ فلسفیوں اور کلامیوں نے اپنے ذوق اور علمی اعتبارات کو مد نظر رکھتے ہوئے تفسیر و تشریح کی تو صوفیاء و عرفاء نے اپنے مخصوص انداز میں قرآن مجید کے معانی و مطالب بیان کیے۔ سبھی طبقات نے اس تعبیر و تشریح کے لیے کچھ بنیادی اصول اور مقدمے سامنے رکھتے ہوئے یہ تعبیرات و تشریحات کیں۔ اِصول ہائے تفسیر مقرر کیے گئے اور اس ضمن میں کتابیں لکھی گئیں؛ جن میں ماہرینِ فقہ و لغت و کلام و فلسفہ کے لیے کچھ قاعدے کلیے مقرر کیے گئے کہ تفسیر و تشریح کرتے ہوئے یہ مقدمے پیش نظر رہیں گے۔

صوفیا نے بھی قرآن مجید کی مختلف تعبیرات و تشریحات کیں، تفاسیر تحریر کیں۔ صوفیا کی اس تفسیری تسلسل کو مختلف محققین نے کئی ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ بورنگ [1] اور سلیمان [2] آتش کے خیال میں اس تسلسل کو پانچ بڑے ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ سلیمان نے تشکیلی، ابتدائی تدوینی، مستقل تدوینی اور پھر محی الدین ابن عربی (متوفی: 638ھ/1240ء) کے فلسفے کے عروج کا دور ہے اور آخری عثمانی دور ہے جس میں صوفی تفاسیر لکھی گئیں۔ جب کہ بورنگ کے خیال میں یہ تقسیم یوں ہے **پہلا دور**: دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی ہجری/آٹھویں صدی عیسوی سے دسویں صدی عیسوی تک۔ متقدمین صوفیہ کے تفسیری اقوال کی جمع و تدوین کا دور ہے۔ جن میں حسن بصری (متوفی: 110ھ/728ء)، سفیان ثوری (متوفی: 161ھ/778ء) ہیں۔ اس کے بعد دوسرے طبقے میں شیخ ذوالنون مصری (متوفی 642ھ/861ء، سہل تستری (متوفی 896/283)، شیخ ابو سعید خراز (متوفی: 899/286)، جنید بغدادی (متوفی: 910/298)، شیخ ابن عطا آمدی (متوفی: 311ھ/923ء) ہیں۔ ان میں اکثر نے اپنی تفاسیر خود مدون نہیں کیں۔ دوسرا دور: پانچویں صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری/گیارھویں صدی عیسوی سے تیرھویں صدی عیسوی تک کا ہے۔ جس میں تین قسم کی صوفی تفاسیر سامنے آتی ہیں 1۔ معتدل صوفی تفاسیر، 2۔ باطنی تفاسیر۔ 3۔ قرآن کی فارسی تفاسیر۔ **تیسرا دور**: ساتویں صدی ہجری سے بارھویں صدی ہجری کے وسط/تیرھویں صدی عیسوی سے اٹھارھویں صدی عیسوی پر مشتمل ہے۔ اس دور میں واضح صوفی تفاسیر سامنے آتی ہیں۔ **چوتھا دور**: برصغیر پاک و ہند، خلافت عثمانی اور تیموری سلطنت میں لکھی جانے والی تفاسیر کا دور ہے۔ اور **پانچواں دور**: تیرھویں صدی ہجری سے اب تک/انیسویں صدی عیسوی سے موجودہ دور تک ہے۔ لیکن محققین کے نزدیک ان دونوں کا صوفی تفاسیر کو ان ادوار میں یوں تقسیم کرنا عمومی ہے۔ [3] اس سے ان ادوار میں لکھی گئی تفاسیر کے مندرجات، رجحانات اور پس منظر سمجھنے میں زیادہ مدد نہیں ملتی۔ غلام شمس الرحمٰن کے نزدیک بھی ان تفاسیر کو ان کے مندرجات اور متن کے حوالوں سے سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ صوفی تفاسیر کا کوئی ایک مشترک ڈھانچہ/امتیازی معیارات نہیں ہیں جن کی بنیاد پر انہیں دیگر تفسیری ادب سے ممتاز قرار دیا جاسکے بلکہ کئی متاخرین صوفیا کی تفاسیر ایسی ہیں جن میں غیر صوفی تفسیروں کو ماخذ و مصدر بنایا گیا ہے اور تعبیر و تشریح کے لیے ان پر انحصار کیا گیا ہے۔ امام قشیری (متوفی: 1072/465) کی "لطائف الاشارات" کا معتد بہ حصہ ابو جعفر طبری (متوفی: 923/310ء) کی تفسیر سے ماخوذ ہے۔ البتہ انہوں نے شیخ سلمی اور امام تستری کی صوفی تعبیرات سے بھی استفادہ کیا ہے۔ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ صوفی تفاسیر کے لیے کوئی امتیازی قوانین وضع نہیں کیے گئے۔ جن کی روشنی میں وہ صوفی تفاسیر لکھی گئی ہوں۔ یہی

وجہ ہے کہ صوفی تفاسیر کے اسالیب و مناہج بھی مختلف النوع ہیں اور ہر صوفی نے اس ضمن میں اپنے ذوقی منہج واسلوب کو اختیار کیا ہے۔

صوفیا کی جانب سے اس ضمن میں اصول و ضوابط پر الگ سے کوئی مستقل بات نہیں کی گئی، کوئی تصنیف نہیں لکھی گئی اور کبھی کسی خاص نوعیت کی تاکیدِ لفظی بھی موجود نہیں ہے لیکن اس کے باوجود ان کی ترجیحات اور قرآن مجید میں غور وفکر کرنے کے ان کے مخصوص طریقے اور اُس کی روشنی میں اُن کے مستنبَط و مستخرَج تفسیری نکات کا مطالعہ کرنے سے کچھ ایسے اِصول و ضوابط اور قاعدے کلیے مرتب کیے جاسکتے ہیں جن کی روشنی میں صوفیاء قرآن مجید کی نصوص کی تعبیر و تشریح کرتے ہیں۔اگر ہم ان مقدمات سے آگاہ ہو جائیں تو اس اسلوبیاتی تنوع میں ایک خاص وحدت دکھائی دیتی ہے اور یہ صاف معلوم ہونے لگتا ہے کہ صوفیا ایک خاص نہج اور زوایے سے قرآن مجید کے مفاہیم و مطالب پر غور وفکر کرتے ہیں اور اسی اعتبار سے تفسیر و تشریح بھی کرتے ہیں۔ یہ مقدمات اگرچہ دیگر مسلم مفسرین کے ہاں بھی مل جاتے ہیں لیکن صوفیا کا یہ اختصاص ہے کہ ان کی تفسیری بنیادیں بالخصوص انہی مقدمات پر ہوتی ہیں۔ اگر وہ مقدمات اور اِصول متعین ہو جائیں جن کی روشنی میں صوفیا قرآن مجید کی تشریح و تفسیر کرتے ہیں تو سبھی اشاری و صوفی تفاسیر میں ایک وحدت تلاش کی جاسکتی ہے اور صوفیا کے تفسیری مقاصد متعین ہو سکتے ہیں۔ صوفیا میں سے ہر ایک کے احوالِ زمان کے مطابق تفسیری مقدمات کی روشنی میں ان کے اعمال واِفعال کی قرآنی اساسات بھی تلاش کرنے میں بہت آسانی ہو سکتی ہے جو ہمیشہ غیر صوفی مسلم گروہوں کے لیے قابل اعتراض رہے ہیں۔ بہت سی جہات کی وجہ سے یہ مطالعہ اختصاصی اہمیت رکھتا ہے۔ صوفی تفاسیر کی تاریخ، منہج واِسلوب اور تدوین واشاعت اور ان میں شامل اختلافی واتفاقی روایات پر بہت کچھ لکھا گیا ہے لیکن صوفیا کے تفسیری اصولوں پر اس سے قبل کوئی خاص کام نہیں ہوا۔ اس ضمن میں چند مقالات لکھے گئے اور کچھ صوفیا کی تفاسیر کے مقدمہ جات میں ان کے اِسلوب و منہج پر بات کی گئی۔ مکمل کتاب ایک ترکی سکالر سلیمان آتش نے لکھی جس کا نام " تفسیرِ اشاری کا مطالعہ " ہے۔ یہ انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات سے شائع ہوئی تھی۔[4] اس کتاب میں اشاری تفاسیر کی تاریخی درجہ بندی اور کسی قدر منہج واسلوب پر بات کی گئی ہے لیکن سلمان آتش کی توجہ بھی ان مقدمات یا اصول ہائے تفسیر کی جانب نہیں گئی جنہیں بنیاد بنا کر صوفیا تفسیر کرتے ہیں۔ ڈاکٹر شمس الرحمٰن کا ایک مقالہ " تفسیر اشاری کی روایت و منہج کا اختصاصی مطالعہ " بھی اسلوبی مطالعہ پر مبنی ہے۔ ہمارے مطالعے کی بنیاد، صوفیانہ ذوق اور صوفیا کے اپنے قرآن کی تفسیر سے متعلق اقوال ہیں۔ جہاں وہ خود اپنے قرآنی مطالعہ کی بنیادیں اور ان سے اخذ واستفادہ کے طریقے متعین کرتے دکھائی دیتے ہیں۔

صوفیا کے ہاں تفسیری مقدمات:

تین اِمور ایسے ہیں جنہیں صوفیا کے خیال میں تفسیرِ قرآن کرتے ہوئے ہر گز اختیار نہیں کیا جائے گا۔ 1۔ مطالعہ قرآن اور اس کی تعبیر و تشریح کے دوران ایک لمحہ کے لئے بھی اپنی عبدیت کے احساس سے غفلت کی گنجائش نہیں ہے۔ 2۔قرآن کے حروف، الفاظ اور آیات کی ترتیب میں کسی بھی قسم کے ادنیٰ سے ادنیٰ تغیر کی اجازت نہیں ہے۔3۔نہ ہی (قطعی) معنیٰ قرآن میں ہلکی سی تبدیلی روا رکھی جاسکتی ہے۔

ابو نصر السراج اس ضمن میں کہتے ہیں:

تفہیم و استنباط کے ذریعے لوگوں نے جو بھی کہا اس میں سے درست بات یہ ہے کہ وہ اللہ کے موخر کردہ کو مقدم نہ کریں اور اللہ کے مقدم کردہ کو موخر نہ کریں۔ ربوبیت میں تنازع نہ کریں اور عبودیت کی حدود سے باہر نہ نکلیں اور نہ ہی کلمات (یعنی الفاظ و معانی) میں کسی قسم کی تحریف کریں۔ [5]

اہل حقائق ان لطائف وتاویلات قرآنی کو بیان کرتے رہے ہیں جو آیات کے ضمن میں پوشیدہ ہیں، اس کے باوجود ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی یہ منقول نہیں کہ انہوں نے (قرآن کریم کے) ظاہری معانی پر عمل اور اعتقاد چھوڑ دیا ہو۔

"قرآن کریم میں سادات صوفیاء سے جو کلام منقول ہے، وہ درحقیقت ان دقیق امور کی طرف اشارے ہوتے ہیں جو ارباب سلوک پر منکشف ہوتے ہیں، اور ان اشارات میں اور قرآن کریم کے ظاہری مفہوم میں جو حقیقتاً مراد ہوتا ہے تطبیق ممکن ہے، صوفیاء کا یہ اعتقاد نہیں ہوتا کہ ظاہری مفہوم مراد نہیں، اور باطنی مفہوم مراد ہے، اس لیے کہ یہ تو باطنی ملحدوں کا اعتقاد ہے جسے انہوں نے شریعت کی بالکلیہ نفی کا زینہ بنایا ہے، ہمارے صوفیاء کرام کا اس اعتقاد سے کوئی واسطہ نہیں، اور ہو بھی کیسے سکتا ہے، جبکہ صوفیاء نے یہ تاکید کی ہے کہ قرآن کریم کی ظاہری تفسیر کو سب سے پہلے حاصل کیا جائے۔" [6]

مفسر آلوسیؒ لکھتے ہیں:

تفسیر کے لیے چند امور کی حاجت ہے، پہلا علم لغت کیوں کہ اسی کے ذریعے مفرد الفاظ کی شرح معلوم ہو سکتی ہے اور ان کے وضع کے اعتبار سے معلولات کو جانا جا سکتا ہے۔ اور اگر کوئی لفظ مشترک ہے تو دو میں سے ایک کے معانی جاننا اور دوسرے کی مراد جاننا کافی نہیں ہے۔ پس جو لغات عرب کا عالم نہیں ہے اس کے لیے تفسیر جائز نہیں ہے جیسا کہ مجاہد نے کہا اور مالک نے کہا۔ یہ ایسی بات ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ احمد سے روایت کی گئی ہے کہ ان سے قرآن کی بابت پوچھا گیا کہ ایک آدمی اسے شعر کے ایک مصرعہ سے تمثیل بیان کرتا ہے۔ تو انہوں نے کہا مجھے اس میں کوئی تعجب نہیں ہے۔ جاننے والے کے لیے لغوی مدلول بیان کرنے کو ممنوع کرنے والی کوئی نص نہیں ہے۔ [7]

صوفیانہ تفسیر اور اصول ہائے تفسیر، نصوصِ قرآن و سنت سے ماخوذ اساسی مقدمات پر استوار ہیں، جن میں سے اہم ترین یہاں بیان کئے جا رہے ہیں اور انہیں فکر صوفیا کی تشکیل میں ناگزیر بنیادی حیثیت کے سبب اصولوں کے حکم میں شمار کیا جا رہا ہے۔ ان میں قرآن کی وسعتِ معنوی، ہر خشک و تر کے بیان سے مملوئیت، بیک وقت ظاہری و باطنی مفہوم سے اتصاف، قرآن سے ان معانی و مفاہیم کے اخذ و استنباط کی داخلِ انسانی میں پائی جانے والی صلاحیت تفسیر قرآن کے لا محدود امکانات میں سے اخذ حق، منہج تمثیل و منہج اعتبار شامل ہیں۔ ذیل میں ان مقدمات کو آیاتِ قرآنی، احادیثِ صحیحہ اور صوفیانہ تحاریر کی روشنی میں بیان کیا جا رہا ہے۔

1-قرآن؛ حقائق و معانی کا قلزمِ بے کنار

وَلَوْ أَنَّمَا فِي ٱلْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَٰمٌ وَٱلْبَحْرُ يَمُدُّهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَٰتُ ٱللَّهِ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ۔ (8)

اور اگر زمین کے سب درخت قلم بن جائیں، اور اس سمندر میں سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں (اور تمام درخت قلم اور تمام سمندر روشنائی بن کر لکھیں) تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے۔

یہ مضمون سورہ کہف میں بھی بیان ہوا:

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (9)

"اے نبی ﷺ! آپ کہیے کہ میرے رب کے کلمات لکھنے کے لئے اگر سمندر سیاہی بن جائے تو اس سے پہلے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں بے شک سمندر ختم ہو جائے گا اگرچہ ہم اسی کی طرح کے کئی اور سمندر اسکی مدد کے لیے لے آئیں"۔

سورہ کہف کی اس آیت میں لکھنے کے لئے صرف سیاہی کا ذکر ہے جبکہ ما قبل مذکورہ آیت میں سیاہی کے ساتھ ساتھ قلم کا ذکر بھی ہوا ہے۔ دونوں جگہ بہر حال مفہوم واضح ہے کہ اگر زمین پر موجود سب کے سب درخت قلمیں بن جائیں اور سمندر سیاہی بن جائے اور پھر مزید سات سمندروں کا پانی بھی سیاہی بن کر اس میں شامل ہو جائے: **مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ**، تب بھی اللہ کے کلمات ختم نہیں ہوں گے، بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے۔

ان آیات کا ایک مفہوم تو ظاہر ہے کہ گو یہ کائنات اور اس کی ہر شے اللہ رب العزت کے محض ایک کلمہ "کُن" کا ظہور ہے مگر اس کائنات کی جزوی وسعت تک جو اربوں نوری سالوں پر محیط ہے، آج کا انسان مشاہداتی مشینوں کے ذریعے رسائی حاصل کرنے کے باوجود اس کی حدود و قیود کے بارے میں کچھ بھی جاننے سے کلیتاً قاصر ہے تو اس کے لئے جہاں اللہ تبارک و تعالیٰ کے تمام کلمات وصفات کو احاطۂ تحریر میں لانا ناممکن و ممتنع امور میں سے ہے وہیں کلمات قرآنی جو اللہ ہی کے کلمات و کلام ہیں انکی وسعت و معنوی گہرائی کی حدود کس قدر وسیع ہوں گی یہ امر بھی ظاہر و باہر ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے امام غزالی کہتے ہیں:

میں تمہیں تمہاری نیند سے بیدار کروں گے اے تلاوت کے لیے خود کو دینے والے، تدریس قرآن کو عملاً تھامنے والے، اس کے ظاہری معانی اور جملوں تک ملفوف رہ جانے والے۔ سمندر کے غرائب سے اپنی آنکھیں بند رکھتے ہوئے تم کتنی مرتبہ اور ساحلِ سمندر کا طواف کرو گے؟ یا تم کبھی اس کے متن کی لہروں پر سواری کرکے اس کے عجائبات کا نظارہ کروگے؟ اور اس کے جزیروں پر جاؤگے تاکہ اس کے لذائذ چن سکو؟ اور اس کی گہرائی میں غوطہ زن ہوگے تاکہ جواہرات حاصل کر سکو۔ کیا تم صرف اس کے سواحل اور ظواہر پر نظر رکھنے سے اس کے موتی اور جواہرات سے محروم نہیں ہو جاؤ گے؟ کیا تمہیں یہ بات نہیں پہنچی کہ قرآن مجید ایک ناپیدا کنار سمندر ہے۔ اور اس سے اولین و

آخرین کا علم پھوٹتا ہے جس طرح سواحل سمندر سے نہریں اور نالے پھوٹا کرتے ہیں۔ کیا تمہیں ان اقوام سے متعلق علم نہیں جنہوں نے اس کی موجوں میں خوب غوطہ زنی کی اور کبریت احمر نکال کر لائے؟ اور سبز زبرجد؟ اس کے سواحل پر چلے اور عنبر اشہب حاصل کیا۔ اور تازہ عود۔ اس کے جزائر پر گئے اور اس کے حیوانات سے تریاق اکبر اور مشکِ ازفر لی؟ (10)

ایک اور صوفی شیخ بطونِ قرآن کی وسعت کو یوں بیان کرتے ہیں:

ان کے نفوس اس کے ظاہر سے مزکی ہو گئے، وہ موجیں مارتا ہوا پانی ہے اور ان کے دلوں کی پیاس اس کے باطن سے دور ہوتی ہے چونکہ وہ موجیں مارتا ہوا سمندر ہے جب انہوں نے ارادہ کیا کہ میں اس میں غوطہ زن ہوں تاکہ اس کے رازوں کے موتی نکال سکیں پانی ان سے سرکشی کرنے لگتا ہے اور وہ اس میں غرق ہو گئے۔ (11)

2-قرآن کا ظاہر و باطن

حوالہ بالا میں صوفیا کا دوسرا تفسیری مقدمہ بھی اجمالاً مذکور ہے۔ اس کی اصل بھی آیاتِ قرآنی ہیں:

هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (12)

وہی اول ہے وہی آخر وہی ظاہر و باطن ہے۔ وہ ہر شی کو جاننے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَوا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ۭ وَمِنَ النَّاسِ مَن يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ۔ (13)

کیا تم لوگوں نے یہ نہیں دیکھا کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اُسے اللہ نے تمہارے کام میں لگا رکھا ہے، اور تم پر اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری نچھاور کی ہیں؟ پھر بھی انسانوں میں سے کچھ لوگ ہیں جو اللہ کے بارے میں بحثیں کرتے ہیں، جبکہ اُن کے پاس نہ کوئی علم ہے، نہ ہدایت ہے، اور نہ کوئی ایسی کتاب ہے جو روشنی دکھائے۔

عبداللہ بن مسعود کی مندرجہ ذیل رویت بھی اس مقدمے کی موید ہے:

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ: "إِنَّ الْقُرْآنَ أُنْزِلَ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ، مَا مِنْهَا حَرْفٌ إِلَّا لَهُ ظَهْرٌ وَبَطْنٌ، وَإِنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ عِنْدَهُ عِلْمُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ "۔ (14)

حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے انہوں نے کہا: قرآن سات حروف پر نازل کیا گیا، اس کے ہر حرف کا ایک ظاہر اور ایک باطن ہے اور بے شک علی بن ابی طالب کے پاس علم ظاہر و باطن ہے۔

سہل بن عبداللہ التستری قرآن کے ظاہر و باطن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

سھل رضی اللہ عنہ نے کہا۔ قرآن مجید کی ہر آیت کے چار معانی ہیں۔ ظاہر و باطن اور حد و مطلع۔ ظاہر تلاوت ہے اور باطن فہم ہے۔ حد اس کا حلال و حرام ہے۔ اور اس کی مراد پر اشرافِ قلب اللہ عزوجل کی جانب سے مطلع ہے۔ علم ظاہر عام ہے اور فہم باطن اور اس کی مراد خاص ہے۔ (15)

ابو طالب مکی، تستری ہی کی طرح قرآن کے ظاہر و باطن کے قائل ہیں:

ہمارے عالم ابو محمد سھل نے رحمہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ عالم کے لیے تین علوم ہیں۔ علم ظاہر جس میں اھل ظاہر جد و جہد کرتے ہیں اور علم باطن اس کے اظہار صرف اہل کے آگے ہوتا ہے۔ اور علم جو اللہ اور عالم کے درمیان راز ہے۔ وہ اس کے ایمان کی حقیقت ہے۔ اس کا اظہار نہ تو اہل ظاہر پر اور نہ ہی اھل باطن پر کیا جاتا ہے۔[16]

روز بہان بقلی جو ایک بڑے صوفی اور تفسیر عرائس البیان کے مصنف ہیں، قرآن کے ظاہر و باطن کی مزید تشریح کرتے ہیں اور علمائے ظاہر و باطن کے الگ الگ وظائف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پھر وہ اس کی ظاہری لگامیں اہل ظاہر میں سے علماء و حکماء کے ہاتھوں میں دے دیتا ہے تاکہ اس کے احکام و حدود اور رسوم و شرائع کی وضاحت کریں۔ اور خالصاً اھل صفوت کو اس خطاب کے اسرا غیبی اور آیات کے مکنون لطائف سے ۔ اور اپنے کلام کی تجلی کشف و عیان و بیان کے ذریعے ان کے قلوب و ارواح اور عقول و اسرار پر کرتا ہے اور انہیں علوم حقائق اور نوادرِ دقائق سکھاتا ہے اور ان کے عقلی مدارج کو کشفِ انوارِ جمال سے صافی کرتا ہے اور اپنے جلال س ان کے فہم مقدس کرتا ہے۔ اور انہیں اپنے خطاب کے خفیہ اسرار کی آماجگاہ بناتا ہے اور اس نے اپنی کتاب میں پوشیدہ اسرار اور لطیف اشارات، علوم تشابہات اور مشکل الآیات میں رکھے ہیں۔ اور وہ انہیں عرفان عطا کرتا ہے قرآن مجید کے مخفی معانی کی اور ان آنکھوں کو اپنے قرب و وصال سے سرمگیں فرماتا ہے۔ اور انہیں عرائس حکم و معارف و معانی پر مطلع کرتا ہے۔ راز کا راز اور فہم کی تفہیم عطا کرتا ہے جو قرآن میں اپنے ظاہر کے اعتبار سے حکم ہے اور اس کے باطن میں اشارہ موجود ہے۔ اور وہ حق ان پر کھولتا ہے جو اس کے اصفیاء و اکابر اولیاء اور اس کے محبان صادق اور مقربین ہیں۔ اور یہ اسرار و عجائب ان کے علاوہ علماء ظاہر اور اھل رسوم سے پوشیدہ رکھتا ہے جو ناسخ و منسوخ، فقہ و علم و معرفتِ حلال و حرام اور حدود و احکام میں حظ وافر رکھتے ہیں۔[17]

نظام الدین نیشاپوری اپنی تفسیر غرائب القرآن و رغائب الفرقان میں انہی نظریات کی تائید میں لکھتے ہیں:

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے «**لکل آیة ظھر وبطن**» کہ ہر آیت کا ظاہر و باطن ہیں۔ ظاہر وہ ہے جو علماء جانتے ہیں اور باطن وہ ہے جو اُن سے پوشیدہ ہے۔[18]

3۔ معانی القرآن کی کثیر الجہتی کے باوصف احوال صحیح کے ذریعے دقائق قرآن تک رسائی

صوفیا قرآنی الفاظ کی یک معنوی حیثیت کے برعکس اس کے معانی کی کثیر الجہتی کے بھی قائل ہیں اور ان میں سے درست معانی تک رسوخ فی العلم و احوال کے ذریعے پہنچنے کے بھی۔ یہ صوفیا کے اصول تفسیر کا تیسرا مقدمہ ہے جس کی تائید حضرت موسیٰ و خضر کا واقعہ تو کرتا ہی ہے دیگر آیات سے بھی ہوتی ہے:

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡكَ الۡكِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ ۚ وَمَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ اِلَّا اللّٰهُ ۘ

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔[19]

وہی ہے جس نے تجھ پر کتاب اتاری اُس میں بعض آیتیں محکم ہیں (جن کے معنی واضح ہیں) وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری متشابہ ہیں (جن کے معنی معلوم یا معین نہیں)، سو جن لوگوں کے دل ٹیڑھے ہیں وہ گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور مطلب معلوم کرنے کی غرض سے متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں، اور حالانکہ ان کا مطلب سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں جانتا اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہمارا ان چیزوں پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہی ہیں، اور نصیحت وہی لوگ مانتے ہیں جو عقلمند ہیں۔

وہی ہے جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی جس میں سے کچھ آیتیں محکم (یعنی ظاہراً بھی صاف اور واضح معنی رکھنے والی) ہیں وہی (احکام) کتاب کی بنیاد ہیں اور دوسری آیتیں متشابہ (یعنی معنی میں کئی احتمال اور اشتباہ رکھنے والی) ہیں، سو وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے اس میں سے صرف متشابہات کی پیروی کرتے ہیں (فقط) فتنہ پروری کی خواہش کے زیرِ اثر اور اصل مراد کی بجائے من پسند معنی مراد لینے کی غرض سے، اور اس کی اصل مراد کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے۔

یہ آیت کریمہ سے قرآنی الفاظ کے معانی و مفاہیم کی کثیر الجہتی پر نص قطعی کی حیثیت رکھتی ہے۔ طبری نے محمد ابن زبیر سے نقل کیا ہے کہ محکمات وہ آیات ہیں جو واحد التفسیر ہیں جبکہ متشابہات ایسی آیات ہیں جو زیادہ تفاسیر کا احتمال رکھتی ہیں۔[20]

آیت مذکور میں وقف الا اللہ پر ہوگا یا راسخون فی العلم پر، ابن کثیر کے مطابق اس کی دو صورتیں ہیں: تاویل کا معنی اگر کسی چیز کی اصل حقیقت ہو تو الا اللہ پر وقف کیا جائے گا لیکن اگر اس سے مراد تفسیر و توضیح اور تعبیر و بیان ہو تو اس اعتبار سے راسخون فی العلم پر وقف جائز ہے کیونکہ راسخون فی العلم بھی صحیح تعبیر و توضیح کا علم رکھتے ہیں:

حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عباس کیلئے دعا کی کہ اے اللہ انہیں دین کی سمجھ دے اور تفسیر کا علم تھے، بعض علماء نے تفصیل سے بات کرتے ہوئے کہا ہے، قرآن کریم میں تاویل دو معنی میں آئی ہے، ایک معنی جن سے مفہوم کی اصلی حقیقت اور اصلیت کی نشاندہی ہوتی ہے، جیسے قرآن میں ہے (آیت یابت ھذا تاویل رویای میرے باپ میرے خواب کی یہی تعبیر ہے، اور جگہ ہے (آیت ھل ینظرون الا تاویلہ یوم یاتی تاویلہ الآیہ) کافروں کے انتظار کی حد حقیقت کے ظاہر ہونے تک ہے اور یہ دن وہ ہوگا جب حقیقت سچائی کی گواہ بن کر نمودار ہوگی، پس ان دونوں جگہ پر تاویل سے مراد حقیقت ہے، اگر اس آیت مبارکہ میں تاویل سے مراد یہی تاویل لی جائے تو الا اللہ پر وقف ضروری ہے اس لئے کہ تمام کاموں کی حقیقت اور اصلیت بجز ذات پاک کے اور کوئی نہیں جانتا تو راسخون فی العلم مبتدا ہوگا اور یقولون امنا بہ خبر ہوگی اور یہ جملہ بالکل الگ ہوگا اور تاویل کے دوسرے معنی تفسیر اور بیان اور ہے اور ایک شئی کی تعبیر دوسری شے

ہے، جیسے قرآن میں ہے(آیت نبئنا بتاویلہ) ہمیں اس کی تاویل بتاؤ یعنی تفسیر اور بیان، اگر آیت مذکورہ میں تاویل سے یہ مراد لی جائے تو فی العلم پر وقف کرنا چاہئے، اس لئے کہ پختہ علم والے علماء جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کیونکہ خطاب انہی سے ہے۔(21)

صوفیاکے مطابق مذکورہ آیتِ کریمہ اس امر کی بھی تصدیق کرتی ہے کہ قرآنی آیات ایک سے زیادہ معانی کی حامل ہیں۔ محکمات وہ ہیں جو تمام انسانیت کے لئے یکساں معنی کی حامل اور نجات کے لئے واجب العمل ہیں جب متشابہات ہر کسی کے لئے نہیں بلکہ راسخون فی العلم کے لئے ان کے حسبِ مرتبہ گہرے معانی کی حامل اور اپنے اسرار کے باعث عام لوگوں سے اخفا میں ہیں:

ان کی الگ الگ قسمیں ہیں۔ ایک ظاہر ہے جس کی تنزیل واضح ہے اور ایک غامض ہے جس کی تاویل مشکل ہے۔ پہلی قسم اھلِ ظاہر کی ہدایت اور شرح کی وضاحت کے لیے۔ اور دوسری قسم اجنبیوں کو اسرار پر اطلاع ہونے سے محفوظ رکھنے کے لیے ہے۔(22)

میبودی نے اسی مفہوم کو ذرا تفصیل سے یوں بیان کیا:

اللہ تعالی کا فرمان اس میں آیات محکمات ہیں وہی کتاب کی اصل ہیں اور دیگر متشابہات ہیں۔ قرآن کی اقسام میں دو بڑی قسمیں ہیں۔ ایک ظاہر روشن، ایک غامض مشکل، وہ ظاہر جلالِ شریعت ہیں اور یہ مشکل جمالِ حقیقت ہیں۔ وہ ظاہر اس سبب ہیں کہ عام مخلوق انہیں دریافت کریں اور ان پر عمل کرتے ہوئے ناز و نعمت پائیں۔ اور یہ مشکل اس سبب ہیں تاکہ خواص انہیں تسلیم کرتے اور ان کا اقرار کرتے ہوئے ولی نعمت کے راز تک رسائی حاصل کریں اور جائے نعمت و ناز سے انس و راز تک کئی نشیب و فراز ہیں اور اس حال کی عزت اور اس کام کے شرف کے سبب اسے پردۂ غموض و تشابہ میں رکھا گیا تاکہ ہر نامحرم اس کوچے میں قدم نہ رکھے۔ ہر کوئی بادشاہوں کے راز جاننے کا اہل نہیں ہوا کرتا۔(23)

روزبہان بقلی کے مطابق متشابہات علامات و شواہد کے آئینوں میں ظہور ذات و صفات کے ملبوس اظہارات ہیں:

وہ آیات اور شواہد کے مزار میں التباسِ صفات اور ظہور ذات کے اوصاف ہیں۔(24)

محکم و متشابہات کے حوالے سے کلامیات میں کئی سوال اٹھائے گئے جن کا خلاصہ ہے:

جان لو کہ ملحد قرآن مجید میں متشابہات کی شمولیت کے سبب اس پر طعن کرتے ہیں۔ اور ایک نے کہا: تم یہ کہتے ہیں کہ مخلوق کی تکالیت (شرعی پابندیاں) اس قرآن کے زریعے قیامت کے قیام تک مرتب کی گئی ہیں، پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ہر مذہب کا ماننے والا اپنے مذہب کے لیے اسی سے دلیل پکڑتا ہے پس جبری جبر کی آیات کو دلیل بناتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں کہ وہ سمجھ ہی نہ سکیں اور ان کے کانوں میں گرانی ہے۔ اور قدری کہتا ہے بلکہ یہ کفار کا مذہب ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کفار کی مذمت کرتے ہوئے ان کے

بارے میں کہا ہے اور انہوں نے کہا ہمارے دلوں پر پردہ ہے اس کے لیے جس کی طرف تم ہمیں بلاتے ہیں اور ہمارے کانوں میں گرانی ہے۔ ایک اور جگہ انہوں نے کہا ہمارے دلوں پر پردہ ہے۔ یوں ہی رویتِ باری کا اثبات کرنے والا کچھ چہرے اس دن چمک رہے ہوں گے اور اپنے رب کی جانب دیکھ رہے ہوں سے استدلال کرتا ہے۔ جب کہ منکرِ رویت اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں کی آیت سے استدلال کرتا ہے۔ جہت کو ماننے والا وہ اپنے رب سے خوف کھاتے ہیں جو ان کے اوپر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے کہ رحمٰن نے عرش پر استوی کیا۔ اور انکار کرنے والا اس قول سے کہ وہ کسی بھی شی کی مثل نہیں ہے۔ پھر ہر ایک اپنے مذہب کے موافق آیات کو محکمات کہتا ہے اور مخالف کو متشابہات کہتا ہے۔ بعض اوقات معاملہ ان میں سے بعض کو بعض پر پوشیدہ ترجیح دینے اور کمزور وجوہ سے متعلق ہوتا ہے۔ اور ایک حکیم کیسے یہ کر سکتا ہے کہ وہ اس کتاب کو جو ہر دین کے لیے قیامت تک مرجوع ہے ایسے بنائے۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ اگر وہ ظاہر جلی اور ان متشابہات سے پاک آیات بناتا تو اس سے مقصد کا حصول زیادہ اقرب تھا۔ (25)

ان سوالات کا جوابات امام غزالی نے دوٹوک الفاظ میں یوں دیے:

اگر آپ یہ کہیں کہ جو سمجھتی نہیں اس مخلوق سے خطاب کرنے کا کیا فائدہ؟ تو آپ کا جواب یہ ہے کہ اس خطاب سے ان کا قصد کیا گیا ہے جو اس کی تفہیم کی اہلیت رکھتے ہیں اور وہ اولیا اور علماء میں سے راسخون فی العلم ہیں۔ (26)

غزالی عامۃالناس کے ساتھ ساتھ محدثین، مفسرین، متکلمین اور تمام علمائے ظواہر کو بھی خبردار کرتے ہیں کہ وہ معرفتِ الہیٰ کے اس سمندر میں داخلے سے باز رہیں چونکہ متشابہات کے کثیر المعنی احتمالات میں سے صحیح ترین فہم کا حصول محض ان کے لئے ممکن ہے جنہوں نے اپنے قلوب کو ماسوااللہ سے کلیتاً خالی کر دیا ہو:

بلکہ سبھی علماء سوائے ان کے جنہوں نے معرفت کے سمندر میں غواصی میں زندگی صرف کرنے والے، دنیا اور شہوات سے منہ پھیرنے والے، مال و جاہ و خلق اور دیگر سبھی لذتوں سے منہ پھیرنے والے اللہ تعالیٰ کے لیے علوم و اعمال میں مخلص ہونے والے۔ شریعت کی سبھی حدود قائم کرنے والے اور اس کے آداب کا خیال رکھنے والے۔ طاعات پر قائم رہنے والے اور منکرات کو ترک کرنے والے اپنے دلوں کو اللہ کے علاوہ سے فارغ کرنے والے۔ اللہ کی محبت کے سامنے دنیا و آخرت اور فردوس اعلی کو بھی حقیر جاننے والا یہی معرفت کے سمندر کے غواص ہیں۔ (27)

4- محکمات متشابہات پر حکم ہیں

عرفا و اولیا اور راسخون فی العلم ان کثیر معنوی امکانات میں سے حقائقِ صحیحہ تک رسائی محکمات پر کامل عمل اور متشابہ کو محکم کے تابع رکھ کر حاصل کرتے ہیں:

محقق عارفین جو دیگر وجوہ کو جانتے ہیں کہ ان کی صورت و شکل کیا ہے وہ متشابہات کی بنیاد پر محمول کی گئی دیگر وجوہات

میں سے حق وجہ کو جانتے ہیں۔ پس وہ متشابہات کو محکمات کی جانب لوٹاتے ہیں شاعر کے اس قول کی مثل کہ چہرہ تو ایک ہی ہے لیکن تم نے آئینوں کی تعداد بڑھادی ہے۔

اور وہ جو حق سے محجوب ہیں جن کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہ آیات کی اتباع کرتے ہیں تاکہ وہ واحد سے کثرت کی جانب جائیں جیساکہ محققین محکم کی اتباع کرتے ہیں اور پھر متشابہ کو اس کے ذیل میں اپنے مذہب و مسلک کی تائید کی مناسبت سے اختیار کرتے ہیں۔ اور فتنہ چاہتے ہوئے یعنی گمراہی کی طلب میں اور اپنے راستے پر گمراہ کرنے کے لیے۔ اور تاویل چاہتے ہوئے۔ وہ تاویل جو ان کے حال و طریق کے موافق و مناسب ہے۔ وہ وجوہات میں دیگر وجوہ نہیں جانتے۔ یوں لازم ہو جاتا ہے کہ وہ حقیقی معانی سے لاعلم رہیں۔ اس طرح ان کا حجاب بڑھ جاتا ہے تاکہ وہ مستحق عذاب ہو جائیں۔ [28]

محکمات میں رسوخ حاصل کر کے ہی عرفا حقائق قرآن سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں:

> علماء کا راستہ اصول کے موافق اس کے معانی میں رسوخ پانا ہے، جس پر انہیں وقوف حاصل ہوتا ہے اسے قبول کر لیتے ہیں اور جس پر انہیں کوئی علتِ فکری متاثر نہیں کرتی اسے عالم الغیب کے حوالے کر دیتے ہیں۔ اھل اشارہ اور اھل فہم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حضورِ قلب کے ساتھ سنا کرتے ہیں۔ ان کے فہم جو کچھ تعریفات اشیاء سمجھتے ہیں اس کی بنیاد اشاراتِ کشف پر ہوا کرتی ہے۔ (29)

محکمات پر یقین کامل اور اصولِ دین سے پختہ تعلق ہی حضورِ قلب کا ذریعہ ہے، جو بصائر انسانی کو منور کر کے احوال صحیحہ کا باعث بنتا ہے تبھی قلب عارف پر اپنے احوال کے مطابق فہم صحیح اور تجلیات حق کا نزول ہوتا ہے:

> رہے وہ لوگ جن کی مدد انوارِ بصائر سے کی گئی ہے وہ فہم و فراست کے سورجوں کی کرنوں سے منور ہیں۔ اور وہ جنہوں نے شک کی چادر اوڑھ رکھی ہے اور تحقیق کے لطائف کو حرام کر دیا۔ ان کے احوال منقسم ہو گئے اور تخمینے انہیں بیمار کر دیتے ہیں۔ اور وہ تلبیس اور شک کی وادیوں میں سر گرداں ہیں۔ پس ان کی جہالت میں جہالت کا ہی اضافہ ہوتا ہے اور شک کی بنیاد پر مزید انحراف ہوتا ہے۔ (30)

چنانچہ یہی لوگ علوم و معارف سے نوازے جانے والے اور اہوائے نفس سے حفاظت الہٰی کا شرف حاصل کرنے والے اور مولا علی کے الفاظ میں علوم و غیوب اور افہام صواب کے حاملین ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وہ جو علم میں رسوخ رکھتے ہیں۔ انھوں نے کہا: حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنہوں نے اپنے علم کو ہوائے نفس سے بچالیا اور غیب کے علاوہ دیگر مضر دلائل سے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا کی اور علوم کے خزانوں میں سے غیبی اسرار پر مطلع فرمایا تو انھوں نے کہا ہم اس پر ایمان لائے یہ سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر احسان فرمایا اور انہیں علم میں رسوخ اور مرتبہ عطا کیا اور اس میں اضافہ فرمایا جیساکہ اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اور کہو اے رب میرے علم میں اضافہ فرما۔ (31)

اور یہ سب سنت رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم -جو محکمات کی تجسیم ہے،- کے اتباع کامل کے بغیر ہر گز ممکن نہیں:

اور اولو الالباب ہی نصیحت پکڑتے ہیں وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع اور پیروی میں اپنے نفسانی وجود کے

چھلکوں سے نکل کر اپنے روحانی وجودوں کے نورِ لباب تک پہنچے۔ اور وہی اپنے رسوخ سے علومِ کسبیہ کے چھلکوں سے گزرتے ہوئے علومِ لدنیہ کے لباب کے حقائق تک پہنچنے والے ہیں جو ان کے حکیم و خبیر رب کی جانب سے ہے۔ [32]

5۔ نصوصِ قرآن سنت پر عملی مزاولت کے ذریعے نبوی اسوہ حسنہ سے مماثلت بھی تفسیر قرآن کا ایک مآخذ ہے

صوفیا کا ماننا ہے کہ علم صحیح روحانی مشقوں اور مجاہدات کے ذریعے حاصل نہیں کیا جا سکتا جب تک انسان کا کردار قرآن کی نصوص اور سنت پر مکمل عمل کے ذریعے نفس کے اعلیٰ خصائل، نیک اعمال سے رغبت و محبت اور نفس کے بلند احوال حاصل نہ کرلے۔ تستری نے تصوف کے سات بنیادی اصولوں میں سے ایک عمل بالسنہ کو قرار دیا ہے:

ہمارے اصول سات ہیں۔۔ کتاب اللہ سے تمسک، سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی، حلال کھانا، تکلیف پہنچانے سے رکنا، گناہوں سے اجتناب، توبہ اور ادائے حقوق۔

گو کہ عمل بالسنہ علما اور فقہا کی توجہات کا مرکز اور ان کی تمام کتب کا موضوع رہتا ہے مگر سراج کے مطابق اعمال سنت کے حوالے سے ان کا فہم، احوال باطنی اور اسالیبِ داخلی کی کیفیات تک رسائی نہیں رکھتا بلکہ یہ صوفیا ہی ہیں جو قلب و نفس کی باریکیوں تک پہنچتے ہیں:

اور یہ باتیں علما و فقہا کے دواوین میں بھی موجود ہیں لیکن انہیں ان پر تفقہ حاصل نہیں۔ اور اسی طرح ان کا استنباط دیگر علوم میں ان کے تفقہ کی مانند صوفیہ کا ہی خاصہ ہے۔ جو اولی العلم اور انصاف پر قائم رہنے والے ہیں۔ ان کے ذمہ یہی ہے کہ وہ اس کا اقرار کریں اور اس پر ایمان لائیں کہ یہ حق ہے۔ اور یہ حقائق مثلاً توبہ اور اس کی صفات اور توبہ کرنے والوں کے درجات اور ان کے حقائق۔ اسی طرح پرہیزگاری کی باریکیاں اور متوکلین کے طبقات۔ اھل رضا کے مقامات اور اہل صبر کے درجات اور اسی طرح خشیت اور خشوع، محبت و خوف و رجا و شوق اور مشاہدہ و طمانینت و تیقین و قناع کے باب میں بھی۔ اور یہ ان احوال میں سے چند وہ ہیں جنہیں گنا جا سکے اور ہر حال کے لیے ان میں اھل ہیں اور طبقات ہیں اور ان میں حقائق ہیں اور مختلف ارادے ہیں اور قوت ارادہ اور غلبۂ وجد و حال ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی حد و مقام اور علم و بیان اسی قدر ہے جس قدر اللہ تعالیٰ نے اسے عطا کیا ہے۔

صوفیہ کی یہ بھی تخصیص ہے کہ وہ حرص و امید کی معرفت رکھتے ہیں اور اس کے دقائق سے آگاہ ہوتے ہیں وہ معرفت نفس اور اس کی برائیوں اور خواطر اور ریاکاری کے دقائق و شہوت خفیہ اور شرک خفی سے واقف ہے۔ اخلاص و توبہ کی کیفیت اور التجاء کے صدق اور فقر میں مداومت تسلیم و تفویض اور خوف اور قوت سے برائت جیسی اشیاء کی معرفت رکھتے ہیں۔

اور صوفیا نے مشکل علوم میں استنباط کیا ہے جو فقہاء و علماء کی فہم سے بالا ہیں۔ اور یہ اشارات میں مخفی ہوتے ہیں۔ اپنی باریکی اور لطائف کی وجہ سے۔ جیسے عوارض، علایق، حجابات، پوشیدہ اسرار، مقامات، اخلاص، احوال معارف حقائقِ اذکار اور درجات قرب و تجرید توحید۔۔۔۔ پس یہ صوفیہ کا ہی خاصہ ہے اور وہی ان پیچیدہ گرہوں کو کھولنے والے اور مشکل مسائل کو انصاف کے ساتھ حل کرنے والے ہیں۔ خلوت و جلوت میں اس پر مسلسل محنت کرنے والے ہیں یہاں تک کہ وہ اس کے ذائقے، ذوق، کمی اور زیادتی کی خبر دیتے ہیں اور حالت کو بھی وہ دلائل سے طلب کرتے ہیں اور اس میں پھر درست اور غلط پر کلام کرتے ہیں۔ [33]

6۔ حضورِ قلب کیساتھ تلاوتِ قرآن

الفاظ قرآن کے گہرے مفاہیم تک رسائی کا ایک تقدیمی عمل حضورِ قلب سے تلاوتِ قرآن میں تدبر، تفکر، تذکر اور تقیظ ہے:

حضورِ قلب کیساتھ تلاوتِ قرآن کرنے کے صوفیا کے ہاں کئی قرینے پائے جاتے ہیں جن میں سے ایک اعجازِ وحی اور اور اس کے الوہی مآخذ کی طرف ہمہ دم متوجہ رہنا ہے۔اس سلسلے میں صوفیا کے ہاں امام جعفر صادق کا قول معروف ہے: میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ اس نے اپنے کلام میں خود کو اپنی مخلوق پر منکشف فرما دیا ہے[34]امام غزالی نے احیا العلوم میں تلاوتِ قرآن سننے کے دس ظاہری اور دس باطنی آداب لکھے ہیں جو قرآن فہمی کی گہرائی تک رسائی کا ذریعہ بتائے گئے ہیں۔[35]

7-مماثلت وتشابہ سے اخذِ معانی

غزالی نے مشکاۃ الانوار میں آیت نور کی تفسیر میں اسی آیت کے الفاظ ضرب الامثال کو اس آیت کا اسلوب بھی قرار دیا ہے اور ایسی آیات کی تفسیر کے لئے اسی کو ایک اصول کے طور پر منہج ضرب الامثال کا نام دیا اور برتا ہے۔[36]

غزالی کے نزدیک دنیائیں دو ہیں، عالم الغیب اور عالم شہادہ۔ عالم غیب؛ عقلی، روحانی وعلوی ہے اور ملکوت کہلاتا ہے جبکہ عالم شہادہ، مادی، جسمانی وحسی ہے اور عالم مُلک کہلاتا ہے۔ خالق کائنات نے دونوں عوالم کی اشیا میں کوئی ایسی شے تخلیق نہیں کی جس کی کوئی نہ کوئی جزوی مماثلت دوسرے عالم کی کسی شے میں نہ پائی جاتی ہو۔ عالم شہادہ سے عالم غیب تک کسی درجہ میں رسائی اگر ممکن ہے تو اسی جزوی مماثلت سے عقلی مناسبت واتصال کے ذریعے ہے (ایضاً)۔اس کی مزید تشریح کرتے ہوئے غزالی لکھتے ہیں:

> عالم ملکوت میں نورانی عالی شریف جواہر ہیں جنہیں ملائکہ سے تعبیر کرتے ہیں، ان سے انوار ارواح بشر کی جانب آیا کرتے ہیں۔ اسی سبب انہیں ارباب کا نام دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ رب الارباب ہیں۔ ان کے نورانیت میں مختلف مراتب ہیں۔ اور ان کی مثالیں عالم شہادت میں شمس و قمر اور ستاروں جیسی ہیں۔ اور سالک سب سے پہلے ستاروں کے درجہ تک رسائی پاتا ہے۔ اس کی روشنی اس پر واضح ہوتی ہے اور اس پر منکشف ہوتا ہے کہ عالم اسفل اس کی سطلنت کے تلے اور اس کے دائرہ نور کے نیچے ہیں۔ اس پر اس کا جمال اور اس کی علو مرتبت آشکار ہوتی ہے۔ پھر وہ کہتا ہے یہ میرا رب ہے۔ اس کے بعد جب اس پر اس سے بلند مرتبہ یعنی قمر کی روشنی واضح ہوتی ہے۔ پھر جب وہ پہلے کو اس کے مقابلے میں ڈوبتے ہوئے دیکھتا ہے تو کہتا ہے کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یوں ہی وہ ترقی کرتے ہوئے سورج تک پہنچتا ہے اسے بڑا اور اعلیٰ تصور کرتا ہے اور پھر وہ دیکھتا ہے کہ یہ بھی دیگر انواع کے ساتھ ایک مناسبت رکھتا ہے اور ناقص کے ساتھ مناسبت رکھنے والا بھی ناقص ہے۔ اور ڈوب جانے والا ہے پھر وہ کہتا ہے۔ میں نے اپنا رخ اس کی جانب کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور میں اسی کا ہو رہا۔[37]

مماثلتیں کھینچنے کا یہ عمل روحانی ومادی عوالم کے درمیان مناسبتیں ڈھونڈنے اور پانے کا ذریعہ ہے۔ غزالی نے اس کی

مثال قرآن مجید میں مذکور موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کے تحت ذکر کی ہے جب وادی مقدس میں انہیں نعلین اتارنے کا حکم ملتا ہے:

> انبیاء کی پہلی منزل عالم مقدس کی طرف کدورت حس و خیال سے بلند ہونا ہے، اس منزل کی مثال وادی مقدس ہے۔ جیسا کہ اس وادی مقدس میں چلنا دونوں دنیاؤں کو پھینکے بغیر ممکن نہیں۔ یعنی دنیا و آخرت۔ اور واحد حق کی جانب توجہ، کیوں کہ دنیا و آخرت باہم متقابل و متحاذی ہیں۔ اور وہ دونوں انسان کے نورانی جوہر کے عوارض ہیں۔ انہیں ایک مرتبہ اتار پھینکنا اور دوبارہ پہن لینا ممکن ہے۔ ان دونوں کو اتارنے کی مثال احرام کے وقت کعبۃ المقدس کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے جوتیاں اتارنے کی ہے۔[38]

8۔ الاعتبار

ایک شے کی حالت کو دوسری شے کی حالت پر بقرینہ تمثیل و تشبیہ منطبق کرنا، اعتبار کہلاتا ہے (شریعت وطریقت، ص ۳۶۳)۔ اعتبار یہ ہے کہ دوسرے کے واقعہ اور قصہ کو اپنی حالت پر منطبق کرکے سبق حاصل کیا جائے، دو چیزوں میں مشابہت ہو تو ایک نظیر سے دوسری نظیر کا استحضار کیا جائے، اور یہی ''عبرت'' حاصل کرنے کے معنی ہیں کہ دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر منطبق کیا جائے (بدائع، ص ۲۴۱) یعنی غیر مدلول قرآنی کو مدلول قرآنی پر کسی مناسبت و مشابہت کی وجہ سے قیاس کرلیا جائے (اشرف الجواب، ج ۲، ص ۳۱۴)۔ گویا اعتبار کسی مناسبت اور مشابہت کی وجہ سے آیت پر منطبق ہوتا ہے اور اس سے مقصود دین ہوتا ہے۔ اعتبار کی اصل ہی قرآن سے ثابت نہیں بلکہ اس کا نام بھی قرآن ہی کا مقرر کردہ ہے:

فَاعْتَبِرُوْا یا أُوْلِیْ الاَبْصَار

یہاں بنی نضیر کی جلاوطنی کے ذکر کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اے بصیرت والو! اس سے عبرت حاصل کرو، یعنی اگر تم ایسی حرکت کروگے جو ان لوگوں نے کی ہے تو اپنے واسطے بھی اس عذاب کو تیار سمجھو۔ اعتبار یہی ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت ہو تو ایک نظیر سے دوسری نظیر پر اسدلال کیا جائے، عبرت حاصل کرنے کے معانی بھی یہی ہیں کہ دوسرے کی حالت کو اپنے اوپر لاگو کیا جائے۔ آیت ذیل سے آخذ معنی بھی اعتبار کی ایک مثال ہے:

إذْ هَب إلٰی فِرْعَونَ أنَّه طَغٰی

صوفیہ نے لکھا ہے:

إذْهَبْ یَا رُوْحُ إلَی الْنَّفْسِ وَجَاهِدْهَا أنَّهَا قَدْ طَغَتْ

کہ اے روح! نفس کی طرف جا اور اس سے جہاد کرکے اس کو مغلوب کر کہ وہ حد سے نکلا جارہا ہے، یہاں صوفیاء کی مراد تفسیر کرنا نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے! تو قرآن کے قصوں کو محض قصہ سمجھ کر نہ پڑھ، بلکہ ان سے سبق حاصل کر، کیونکہ قرآن کریم میں جو قصے ہیں وہ عبرت حاصل کرنے کے لئے بیان کئے گئے ہیں:

لقدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبرَةُ لاولی الالباب

پس جب تو موسی علیہ السلام کے قصہ پر پہنچے تو اس سے یہ سبق حاصل کر کہ تیرے اندر بھی ایک چیز موسی کے اور ایک چیز فرعون کے مشابہ ہے، یعنی روح اور نفس، ایک داعی الی الخیر ہے جو موسی علیہ السلام کے مشابہ ہے، دوسرا داعی الی الشر ہے جو

فرعون ملعون کے مشابہ ہے، پس تو بھی اپنے روح کو نفس پر غالب کر، اور نافرمانیوں سے باز آجا، یہی علم اعتبار ہے کہ دوسرے کے قصہ کو اپنی حالت پر منطبق کرکے سبق حاصل کیا جائے۔

خلاصہ بحث:

صوفیاء کی باقاعدہ تفاسیر اور تفسیری شذرات کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں کوئی باضابطہ یا لگا بندھا اسلوب نہیں۔ نہ ہی وہ کسی خاص طریقۂ کار کی باقاعدہ پیروی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ لیکن اگر تفاسیر کے متن اور منہج و اسلوب کے مطالعہ کے ساتھ صوفیاء کرام کے قرآن مجید کے ساتھ شغف و تعلق کی نوعیت کو تلاش کیا جائے اور ان کے تعبیر و تشریح آیات کے طریقِ کار کا مطالعہ کیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ صوفیا تفسیر کرتے ہوئے کچھ بنیادی اصول و مقدمات کی پیروی کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک قرآن حقائق و معانی کا قلزم بے کنار ہے، اس کی گہرائی و گیرائی کا احاطہ عقلِ انسانی کے لیے ممکن نہیں۔ آیات کے ظاہری و باطنی بہت سے معانی ہیں۔ معانی کی اس کثیر الجہتی کے باوصف دقائقِ قرآن تک رسائی کے لیے رسوخ فی العلم واحوال درکار ہے۔ متشابہات پر حکم ران آیاتِ محکمات ہیں۔ اسی لیے محکمات پر کامل عمل کے بعد متشابہات کو ان کے تابع رکھتے ہوئے معانی متعین ہوں گے۔ قرآن مجید کی نصوص اور سنت پر مکمل عمل، حضور قلب اور اخلاص و ذوق کے ساتھ تلاوت کلام مجید اور اس دوران قلب و روح پر مرتب ہونے والے احوال و کیفیات کی روشنی میں عالم ظاہر و عالم غیب کے ساتھ جزوی مماثلتوں کی روشنی میں عبرت واعتبار حاصل کرتے ہوئے تعبیر و تشریحِ آیات ہوگی۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.

حوالہ جات (References)

(1) Gerhard Bowering, The Quran Commentary of As.Sulami in W.B Hallaq and D.B.Little (eds.) Islam Studies presented to Charles J. Adams, (Leiden: Brill, 1991), 41-56

(2) Suleyman Ates, Ishari Tefsir Okulu, Ankara Universitesi Ilahiyat Fakultesi Yayinlari,(6)(Ankara: Ankara Universitesi Basimevi, 1974), 122.

(3) Jamal J. Elias, Sufi tafsir Reconsidered: Exploring the Development of a Genre, Journal of Quranic Studies 12 (2010), Edinburgh University Press, pp.41-55 at p. 43

(4) Suleyman Ates, Ishari Tefsir Okulu,Ankara Universitesi Ilahiyat Fakultesi Yayinlari,(Ankara: Ankara Universitesi Basimevi, 1974)

(5) Abu Nāsr al-Sarrāj, Kitab al-luma fi'l-tasawwuf, ed. Reynold A. Nicholson, Gibb Memorial series, no. 22, London: Luzac, 1963, 90

6- Mehmood bin Abdullah Aālusi, Rooh ul maāni fi tafseer Il Quran- al-Azeem-wal-sab-al-māsani (Labnan, dar ul kutub al ilmiyya 1415 hijri) 1:7

7 Aalusi, Rooh-ul-Māani, 1: 6

8 Al-Luqman, 31: 27

9 Al-Kahf, 18:109

10 Abu Hamid ibn Muhammad ibn Muhāmmad al-Tusi al-Shafi'i al-Ghāzali, Jāwahir ul Quran (Bairut: Dār-o-Ihīā-ul-Uloom, 1990 AD), 21,22

)11(Abdul Razzaq kāshāni, Tāvilat-e-Qurān (Tehran, ameer kabir, 1395 AH) 1: 3

)12(Al-Hadid, 57: 3

)13(Luqman, 31: 20

)14(Ahmād bin Abdullāh Abu Naeem al-Asbhāni, Hilyāt ul Auliyā-wa-Tabaqat-e-Asfiya (Egypt: Matba al Saadat, 1974 AD), 1:64

)15(Abu Muhāmmad Sahāl bin Abdullāh bin Yunus bin Rāfi Tustāri, Tāfsir-al-Tustāri (Bairut: Dār ul Kutub Al Ilmiyāh, 1423 AH), 16

)16(Muhāmmad bin Ali bin Atiyā-al-Harsi Abu Tālib al Mākki, Qoot tul Quloob fi muāmālatil Mehboob wa wasaf Tareeq il Mureed Ila Muqam il Tāwhid (Bairut: Dar ul Kutub Al Ilmiyāh, 2005 AD), 2:148

17. Rūzbihān ibn Abī al-Naṣr Baqlī (Ahmad Farid al Mazidi) Arā'is al-bayān fī Haqā'iq al-Qur'ān (Bairut: Dar ul Kutub Al Ilmiyāh, 2008 AD), 1:12

18. Nizam ud Din al Hāssān bin Muhāmmad Nishāpuri (Al Sheikh Zākāriyah Ameerat) Ghāraib ul Qurān wa Raghāib ul Furqān (Bairut: Dar ul Kutub Al Ilmiyāh, 1416 AH), 1:25

19 Al-Imran, 3:7

20 Muhāmmad ibn Jārir al-Tābāri, Jam-ul-Bāyān (Bairut: Dar ul Kutub Al Ilmiyāh, 1998 AD), 3:174,175

21 Abū al-Fiḍā' 'Imād ad-Dīn Ismā'īl ibn 'Umar ibn Kathīr al-Qurashī al-Damishqī, Tāfsir Qurān il Azeem (Bairut: Dar ul Kutub Al Ilmiyāh, 1998 AD), 3:7

22 Abd al-Karīm ibn Hawāzin al-Qushayri(Ibrahim al Baisuni), Laṭāʾif-al-Ishārāt (Cairo, Al Hāyiā al Misriah al Aāma lil Kitāb) 1:220

23 Abu'l-Fażl Rašid-al-din Meybodi, Kašf al-asrār wa ʿoddat al-abrār (Tehran: Ameer Kabir, 1082 AD), 34

24 Rūzbihān Baqlī - Arā'is al-bayān fī ḥaqā'iq al-Qur'ān- 1:126

25 Abū ʿabdullāh Muḥāmmad Ibn ʿumār Ibn Al-Husayn Fakhr Ad-dīn Ar-rāzī, al-Tafsir al-Kabir (Bairut: Dar Ihyā al-Turāth al-Arābi,1420 AH)

26. Abu Hāmid ibn Muhāmmad ibn Muhāmmad al-Tusi al-Shāfi'i al-Ghazali, Iljām al-Awam 'an Ilm al-Kalam (Istanbul: Maktabah al-Siraj, 2017 AD), 34

27 Al-Ghazali- Iljam al-Awam 'an Ilm al-Kalam -47

28 Abd al-Razzāq Kamāl al-Dīn al-Kāshānī, Ta'wilat al-Qur'an (Tehran: Ameer kabir, 1395 AH), 1:168

29 Al-Qushayri- Laṭāʾif al-ishārāt - 1:220

30 Al-Qushayri- Laṭāʾif al-ishārāt - 1:220

31 Al-Qushayri- Laṭāʾif al-ishārāt - 1:220

32 Nishapuri - Gharaib ul Quran wa Raghaib ul Furqan- 2:116

33 Abu Nāsr al-Sārrāj Tusi, Kitāb Al-luma Fil Tāsāwwuf (London: Luzac, 1963),13–15.

34 Abu Tālib al Mākki, Qoot tul Quloob fi muāmālatil Mehboob wa wasaf Tareeq il Mureed Ila Muqam il Tāwhid,97

35 Abu Hāmid Ibn Muhāmmad ibn Muhāmmad al-Tusi al-Shafi'i al-Ghazali,

Iḥyāʾ ʿulūm al-dīn (Bairut: Dar Al Maarifa, 1431 AH),1:272

36 Abu Hāmid ibn Muhāmmad ibn Muhāmmad al-Tusi al-Shafi'i al-Ghazali, Mishkât Al-Anwār (Cairo: Dar al qaomiyāh lil tābāt wa nāshār), 25

37. Al-Ghazali, Mishkât Al-Anwar, 66-67

38 Al-Ghazali, Mishkât Al-Anwar, 66-67